خلافت عثمانیہ میں غیر مسلموں کے حقوق

(غیر مسلم محققین کی تحقیق کی روشنی میں)

ترتیب وتجزیہ: سردار اعوان

ڈاکٹر سونیل کی کتاب (Minorities and the Destrution of Ottoman Empire) جسے ترکی کی ہسٹاریکل سوسائٹی نے شائع کیا ہے، تحقیق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ پروفیسر سونیل کو اسے مکمل کرنے میں دو سال لگے۔ اس میں جو دستاویزات شامل کی گئی ہیں ان کو جمع کرنے میں کوئی پچیس سال کا عرصہ صرف ہوا کتاب پانچ بڑے حصوں میں تقسیم ہے، سلطنت عثمانیہ کے دور عروج (۱۵۶۶ء۔۱۶۸۰ء) اور اس کے تاریخی پس منظر سے شروع ہوتی ہے اور دور زوال (۱۷۸۹ء۔۱۹۱۴ء) پر اختتام پذیر ہوتی۔

۱۰۱۷ء میں بازنطینی افواج کو شکست دے کر ترکوں نے جس عظیم خلافت کی بنیاد رکھی اس کا دائرہ اپنے عروج کے دور میں تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ پر محیط تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ میل جول کے نتیجہ میں بلقان میں بہت سارے لوگوں نے خاص کر آرتھوڈکس عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اگرچہ نومسلموں کی بڑی پذیرائی ہوئی، مگر انہیں کبھی بھی مجبور نہیں کیا گیا کہ وہ لازماً مسلمان ہو کر رہیں۔ بالادستی تو یقیناً اسلام کی ہوگی، لیکن اسلام اس چیز کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ کتاب میں برطانوی تاریخ دان ڈکن کا حوالہ دیا گیا جس کے مطابق خلافت کے اندر عیسائی، یہودی اور دوسری کئی قومیں آباد تھیں۔

ڈاکٹر سونیل نے اپنی کتاب میں تین قوموں، یعنی یونانیوں، آرمینیوں اور یہودیوں کو خصوصی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ انہیں درحقیقت اقلیت شمار نہیں کیا جاتا تھا۔

خلافت عثمانیہ کا دستوری اور قانونی ڈھانچہ زیادہ تر اسلامی قوانین پر مبنی تھا جس کی رو سے سلطان کی اہمیت اللہ تعالیٰ کے نائب کی تھی نہ کہ حاکم مطلق کی۔ اس کو جو بھی اختیارات حاصل تھے وہ قرآن و سنت کے اندر اندر تھے۔ خلافت کے اندر جو بھی اقوام موجود تھیں ان میں سے ہر ایک ملت شمار ہوتی تھی اور انہیں اندرونی طور پر وسیع اختیارات سے نوازا گیا تھا۔ اسلامی ریاست میں آپ کو معلوم

ہے غیر مسلموں کو اقلیت نہیں اہل ذمہ قرار دیا گیا تھا، یعنی ریاست ان کی جان و مال عزت و آبرو کا ذمہ لیتی ہے۔ ہر صاحب نصاب سے حکومت اڑھائی فیصد زکوۃ وصول کرتی ہے اور ان کے لئے فوج کی ملازمت لازمی ہوتی ہے، لیکن اہل ذمہ جنہیں مخفف کے طور پر ذمی کہا جاتا ہے، خلافت کے لئے لڑی جانے والی جنگ میں کسی شمولیت کے پابند نہیں۔ انہیں صرف جزیہ ادا کرنا پڑتا ہے، مگر یہ بھی صرف ان لوگوں سے لیا جاتا ہے جو کام کاج کے قابل ہوتے ہیں۔ کمزور یا ضعیف افراد عورتیں یا بچے راہب و پادری جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ اسلامی قانون کے ماہرین جزیہ کی مقدار کے بارے میں مختلف آراء پیش کرتے ہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک امیر شخص سے اڑتالیس درہم، اوسط آمدنی والے شخص سے چوبیس، کم آمدنی والے سے بارہ درہم وصول کئے جائیں گے۔ امام شافعی کے نزدیک کم سے کم ایک دینار (سو درہم) لیا جائے گا جبکہ زیادہ سے زیادہ کا فیصلہ سلطان کرے گا۔ امام مالک کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ دونوں کا فیصلہ سلطان پر چھوڑتے ہیں۔ باہر حال اس کی مقدار زکوۃ کے معاملہ میں کہیں کم ہوتی ہے

غیر مسلموں کو اسلامی شریعت کے رو سے جو حقوق دیئے گئے ہیں۔ سلطان اپنا یہ دینی فریضہ سمجھتا تھا کہ وہ پورے خلوص اور اخلاص کے ساتھ ادا کئے جائیں۔ خلافت عثمانیہ میں ہر ملت اپنے اپنے دائرہ کے اندر خود مختار تھی۔ وہ اپنے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کا انتخاب کرتی، جو ملت کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرتا اور حکومت کے سامنے اس کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیتا تھا۔ مذہبی امور کے علاوہ ان کے اسکولوں کا قائم کردہ اسکولوں کا انتظام انہی کے پاس تھا، یہاں تک کے بعض دیوانی مقدمات کے فیصلہ ان کے اپنے ہاں ہوتے جس کیلئے انہیں حکومت کی طرف سے ہر قسم کی مدد فراہم کی جاتی۔

ولیم ملر ترکوں کا دوست شمار نہیں ہوتا، وہ اپنی کتاب (The Ottoman Empire and thier successors) (شائع شدہ لندن: ۱۹۶۶ء) میں تسلیم کرتا ہے کہ: ''یہ کہنا بیجا نہیں کہ ترکوں کی حکومت میں جتنی مذہبی رواداری موجود تھی اس کا عشر عشیر بھی عیسائیت کے علمبردار اپنے ہاں پیش نہیں کر سکتے۔'' ایڈگر گردان ویل (The Conspiracies and the Tsarist Russia) میں یہاں تک کہ گئے ہیں کہ غیر مسلموں کو جو استحکام حاصل ہوا ہے، اس کے لئے انہیں ترکوں کا احسان مند ہونا چاہئے۔

عثمانیوں کی منصف مزاجی اور راست بازی پر کسی کو انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ان کا اگر کوئی جرم تھا تو وہ یہ تھا کہ انہوں نے نہایت اعلیٰ پیمانوں پر تمام تر کوششوں کے باوجود، پوپ پائس دوم کی طرف سے فاتح سلطان محمد دوم کو دی گئی عیسائی مذہب قبول کرنے کی دعوت قبول نہیں کی، چنانچہ ادھر سے مایوس ہو کر صلیبیوں نے اپنی اس مہم کا آغاز کیا جس کا مقصد اسلامی رشتوں کو کمزور بنا کر ترکوں کی طاقت کو پارہ پارہ کرنا او انہیں بلقان، اناطولیہ اور اگر ممکن ہو تو مشرق وسطیٰ سے بے دخل کرنا تھا۔ اپریل ۱۹۵۱ء میں ایف۔ ایلونامی شخص نے جو آرمیا کے روسی قونصل خانہ میں بطور مترجم تعینات تھا، برطانوی دفتر خارجہ کو یاددہانی کے طور پر تحریر کیا تھا کہ اسلام کی سربراہی ترکی کو حاصل ہے۔ اگر ترکی صحیح وسالم رہا تو دنیا سے اسلام کا خطرہ کبھی دور نہیں ہوگا اور اگر ترکی کا خاتمہ ہونے لگا تو مسلمان کوئی حرکت نہیں کریں گے اور آئندہ ہمیشہ کے لئے دب کر رہنے پر مجبور ہوں گے۔

سلطان سلیمان جنہیں سلیمان اعظم کہا جاتا ہے، کہ دور میں ایک طرف خلافت اپنی عظمت اور سطوت کو چھو رہی تھی تو دوسری طرف اس کے زوال کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ سلطان سلیم دوم کی تخت نشینی کے ساتھ ہی عیسائیوں کو اسلام کے خلاف اپنی روایتی چالاکی اور مکاری کے استعمال کا موقع ہاتھ آ گیا۔ بہت سی غیر مسلم خواتین حرم کی زینت بن گئیں۔ حکومتی اختیارات کا خاصہ بڑا حصہ سلطان کی ان غیر مسلم سوتیلی ماؤں اور ان کے رشتہ سے چچازاد اور خالہ زاد بھائیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ محلاتی سازشوں کے ذریعہ ایسے لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے جو صرف نام کے مسلمان یا پھر غیر مسلم ہی تھے۔ نہ صرف یہ کہ ان کی وفاداریاں منقسم ہو گئیں بلکہ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ سلطان کے اختیارات آہستہ آہستہ کم ہوتے گئے، جبکہ وزیراعظم اور اس کے وزراء کے زیادہ، حالانکہ خلافت میں اصل مرتبہ ومقام سلطان کو حاصل ہوتا ہے، گویا سرکاری مرکز تو ایک ہی یعنی سلطان کی ذات رہی، لیکن اختیارات کے مراکز کئی ہو گئے۔ اس سے حالات پر حکومت کی گرفت کمزور پڑنے لگی تو اسے فکر لاحق ہوئی۔ پھر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جس جگہ خرابی ہوئی ہے اس کی نشاندہی کر کے ازالہ کیا جاتا تاکہ گاڑی واپس پٹڑی پر آ جاتی، مگر یورپ کی ''روشن خیالی'' کی پیروی میں اصلاحات کی راہ اختیار کر لی گئی۔ اس طرح یہودی، عیسائی، آرمینی آ کر کلیدی عہدوں پر براجمان ہو گئے جو مغربی تاثرات کو پھیلانے میں بہت موثر ذریعہ ثابت ہوئے۔

خلافت میں کئی نسلوں، رنگوں، زبانوں، ثقافتوں، مذہبوں، اور قومیتوں کے لوگ آباد تھے جو تین براعظموں میں پھیلے ہوئے تھے، ان میں عرب، ایرانی، ترک، سلاوی، افریقی سبھی شامل تھے جو سب اپنے اپنے ممالک میں الگ الگ قومیں شمار ہوتے تھے۔ جب حالات بگڑنے لگے تو ہر قوم دوسری قوم کو موردالزام ٹھہرانے لگی، خاص طور پر ترکوں نے عربوں کو اور عربوں نے ترکوں کو اس کا ذمہ دار قرار دینا شروع کر دیا، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ الزام تراشی میں دونوں طرف غیر مسلم باشندے تھے۔

ترکوں سے گلوخلاصی'' کا یہ عمل دراصل ۱۶۳۸ء میں شروع ہو گیا تھا جب ترک ویانا فتح کرنے میں ناکام رہے تھے۔ چنانچہ ولیم ملرا سے خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کی جانب پہلا قدم قرار دیتا ہے۔ یورپی استعمار نے اسی روز سے سلطنت عثمانیہ کے حصہ بخرے کرنے کی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ ترک نیشنلزم اور عرب نیشنلزم کے حوالہ سے جو زہر اس وقت پھیلایا گیا تھا، اکثر دانشور اسے آج بھی اتنا ہی موثر اور جاری وساری تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا یہ عمل ہنوز جاری ہے۔ بہرحال اپنوں کی نادانی اور غیروں کی چالاکی کا یہ شاخسانہ تھا کہ بلقان اور اناطولیہ کے بعد خلافت عثمانیہ کا بھی بالآخر خاتمہ ہو گیا۔ ۱۶۸۳ء میں ویانا اور ۱۹۲۳ء میں لوزانے (Lausanne) میں جو ہوا سو ہوا، خلافت کے خلاف سازشوں، تخریب کاریوں اور جارحیت کی ایک لمبی داستاں ہے جو ڈاکٹر سلاجی۔ آر۔ سونیل بیان کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ کس طرح خلافت کے اندر آرام وچین سے زندگی بسر کرنے والے غیر مسلموں نے یورپی طاقتوں کا ساتھ دے کر ان کا کام آسان بنایا۔ حالانکہ انہیں یورپ کی نسبت یہاں زیادہ سکون حاصل تھا۔ خلافت عثمانیہ اپنی اندرونی کمزوریوں کے سبب یورپ سے قرضہ لینے پر مجبور ہوئی تو رہی سہی عزت نفس بھی جاتی رہی۔ اب یورپ والوں کی ہر بات ماننا پڑتی اور ان کی تجویز کردہ اصطلاحات پر عمل کرنا پڑ رہا تھا۔ ادھر حدود خلافت میں مقیم یہودی الگ اپنے صیہونی عزائم کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے وہ پیار ہی پیار میں چاہ رہے تھے کہ یروشلم اور اسرائیل انہیں حاصل ہو جائے

۱۸۵۶ء میں پیرس میں یہ معاہدہ طے پایا اب سے سلطان کی عیسائی رعایا کی حفاظت یورپ کے ممالک کریں گے، یعنی کیتھولک فرقہ فرانس، اٹلی اور آسٹریا کے زیر سایہ ہوگا، برطانیہ جرمنی اور امریکہ پروٹسٹنٹ مذہب کے نگہباں اور روس آرتھوڈکس کا سرپرست اعلیٰ قرار پائے۔ اس طرح

خلافت میں موجود عیسائیوں کی باگ دوڑ مکمل طور پر غیر ملکیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ مغربی استعمار نے اسے اپنے ناپاک سامراجی عزائم کی تکمیل کیلئے ان عیسائیوں کے مسائل نہ صرف بڑھا چڑھا کر پیش کئے بلکہ ان میں مصنوعی طور پر اضافہ کیا گیا تا کہ انہیں مداخلت کا بہانہ ملتا رہے جیسا کہ برطانوی قونصل، پلگریو نے ۱۸۶۶ء میں اپنی رپورٹ میں لکھا ہے۔ یورپی طاقتوں نے ہر ممکن طریقوں سے مقامی عیسائیوں کے ذریعہ بے چینی اور بدامنی کو ہوا دے کر خلافت کے اندر نقب لگانے کی کوششیں کیں۔ عیسائیوں کے مختلف فرق سے تعلق رکھنے والے مشنری اداروں نے بڑی تعداد میں یہاں آ کر تبلیغ کے بہانے اپنے پیر جمالئے اور خلافت کے اندر رہنے والے عیسائیوں پر قبضہ جمع کر انہیں اپنی سرپرست یورپی طاقتوں کے زیر اثر لا کھڑا کیا۔

یورپ والے ایک طرف سلطنت عثمانیہ کو یہ ترغیب دلاتے رہے کہ تمہارا وسطی ایشیا سے کوئی تعلق نہیں ہے، یورپ سے ہے، دوسری طرف جنوبی اور وسطی یورپ سے عثمانیوں کا صفایا کرنے میں مصروف رہے۔ اور ایک ایک کر کے تھریس بوسنیا، ہرزیگوینا اور بلغاریہ کو خلافت عثمانیہ سے کاٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ عثمانی عمائدین سلطنت اگر چہ عیسائیوں کی ریشہ دانیوں سے سخت نالاں تھے اور بعض اوقات انہیں تادیبی کاروائی بھی کرنی پڑتی، مگر بحیثیت مجموعی حکومت نے غیر مسلموں سے متعلق اسلامی اصولوں پر مبنی اپنی عدل وانصاف، نرمی اور رواداری کی پالیسی ہاتھ سے نہ جانے دی، تاہم خلافت کو جو زوال آ چکا تھا اس کے سبب اندرونی خلفشار اور بیرونی حملوں کا مقابلہ کرنا ممکن نہ رہا اور بالآخر ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم میں شرکت نے خلافت کا رہا سہا بھرم بھی ختم کر دیا، یہ ساری تحریک لالچ کی کارفرمائی اور سازشوں کے تانے بانے سے بھری پڑی ہے۔ لالچ اور حرص نے عثمانیوں کو ناکارہ بنا دیا اور عیسائی سازشوں نے ان کی ناکامی پر مہر ثبت کر دی۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے میں نمایاں کردار اگر چہ اس کی عیسائی آبادی کا نظر آتا ہے، مگر اسے موقع تو خود عثمانیوں نے فراہم کیا۔

غزل

صدیوں سے رہا شوق جسے چارہ گری کا
پایہ نہ کبھی اس نے ہنر بخیہ گری کا
اک تیرے سوا سارے زمانے کو خبر ہے
عالم یہ ہوا ہم سے تیری بے خبری کا
جذبوں میں صداقت نہیں تاثیر ہو کیسے
تاحق ہی گلہ کرتے ہو تم بے اثری کا
ہر شے کو فنا ہے تو ہمیں ناز ہوکس پر
یہ زیست تو جھونکا ہے نسیم سحری کا
دربار دل وجاں میں جو آنا تو سنبھل کر
نازک ہے بہت کام یہاں شیشہ گر ی کا
کانٹے سے کھٹکتے ہیں زمانے کی نظر میں
انجام یہ ہوناتھا . آشفتہ سری کا
کچھ دم تو ٹھہر حسرت دیدار ہو پوری
''کیا یار بھروسہ ہے چراغ سحری کا''

پروفیسر رضیہ سبحان قریشی سابق پرنسپل عبداللہ گورنمنٹ گرلز کالج